مقبول فدا حسین

کے فن اور اُن کی انا کو سلام!

اِدھر دو تین دہوں سے دُنیا بھر میں ایک عجیب سی اِنتہا پسندی نے جگہ بنالی ہے اور اچھے خاصے معتدل مزاج لوگ بھی اس 'سرطانی بخار' میں مبتلا ملتے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کے ذہن میں تو آج یہ بھی خیال سر اُٹھاتا ہے کہ ڈاکٹر اقبالؔ جنہیں آج ایک دُنیا علامہ اقبالؔ کے نام سے یاد کرتی ہے کہ اپنی وہ شاعری جس میں اُنہوں نے ''مُلاّ'' کو بُری طرح نشانہ بنایا ہے یا پھر اُن کی مشہور ترین نظم 'شکوہ' آج لکھتے تو اُن کا کیا حشر ہوتا یہ سوچ ہی کر ہم پریشان ہوجاتے ہیں۔ سرسید جن کے نام کے ساتھ ہم آج رحمت اللہ علیہ لکھنا لازم جانتے ہیں ان کے ساتھ بھی کیا ہوا تھا یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ سب تاریخ کا حصہ ہے۔ بلکہ اس حوالے سے بھی جب غور کیا تو احساس جاگا کہ مذکورہ اِنتہا پسندی کا بیج تو پہلے ہی بویا جاچکا تھا البتہ اس نے اس طرح سَر نہیں اُٹھایا تھا جیسے آج ہمارے سامنے منظر ہے۔

فلم کا ذوق رکھنے والے حضرات ایچ ایس رویل کا نام نہیں بھولے ہونگے وہ مشہور تو ہوئے فلم 'میرے محبوب' سے مگر ہم جیسوں کو یاد ہے اُن کی وہ فلم جو اُنہوں نے (1968 میں) بہت ہی اہم موضوع پر بنائی تھی 'سنگھرش' ۔۔۔ جس میں دلیپ کمار کے ساتھ ہندی فلم کے اعلیٰ درجے کے فنکاروں نے کردار نگاری کی تھی یہ فلم ہندی ناظرین کی بد ذوقی کا شکار ہوگئی۔ مگر اپنے موضوع اور فنی سطح پر ایک لاجواب فلم تھی البتہ یہی فلم دَورِ حاضر میں بنتی تو فلم ساز و ہدایت کار ہرنام سنگھ (ایچ ایس) رویل کے ساتھ یوسف خان (دلیپ کمار) کی بھی خیر نہ ہوتی۔ فلم سنگھرش میں بنارس کے پنڈوں کو موضوع بنایا گیا تھا بلکہ اُن کی خباثت کو رَویل نے دُنیا کے سامنے بڑی فنکاری سے بے نقاب کیا تھا۔ یہ فلم (اپنے موضوع کے اعتبار سے) اگر مغرب میں بنتی تو اسے نہ جانے کتنے ایوارڈ ملتے۔

ہمیں یہ باتیں آج مقبول فدا حسین کی 'غریب الوطنی' کی موت پر یاد آئیں۔ ہمارے ملک کا اِتنا بڑا فنکار۔۔۔ اور وہ جلا وطنی پر مجبور ہوا۔!!۔۔۔ آخر اُس نے یہ جلا وطنی کیوں اختیار کی۔ اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ہندو دیوی دیوتاؤں کا برہنہ تصور اپنے برش سے پیش کیا تھا، یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ حسین کی یہ پینٹنگس برسوں پرانی تھیں مگر بیچارے کور ذہن اور کور چشم لوگوں کو ان پینٹنگس میں دیوی دیوتا 25 برس بعد نظر آئے اور پھر حسینؔ کے خلاف ہندوتو نے جو واویلا مچایا وہ سب کے علم میں ہے کہ یہ بہت پرانی بات نہیں۔ وہ اپنے خلاف چلنے والی تحریک سے دِل برداشتہ ہوکر 2006 میں ملک سے باہر

چلے گئے تھے اور اب لندن کے قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ حسین اُردو شاعری کے بھی دِلدادہ تھے وہ اکثر اکبرؔ الٰہ آبادی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

''ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مَرے ہسپتال جا کر''

۔۔۔وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ''اپنا بھی ایسا ہی حشر ہوگا۔''

ایسے لوگ ہمارے ہاں ہیں، جو یہ جانتے ہیں کہ ایم ایف حسین کسی زمانے میں ممبئی کے مشہور 'گولا آرٹس' کے ہاں کام کرتے تھے اور وہ فلمی پوسٹر بنانے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی قدر کرنے والوں میں فلم 'مغلِ اعظم' کے مشہورِ زمانہ ہدایت کار کے آصف بھی شامل ہیں اور اُس زمانے میں کے آصف نے اُن کے فن کو پہچانا، ان کی قدر کی اور کام دِیا، جب حسین آج کی طرح مشہورِ زمانہ نہیں تھے۔۔۔اُردو ادب میں ایک اصطلاح عام ہے ''صاحبِ اسلوب''۔۔۔سچ یہ ہے کہ جو بھی فن ہو اِس میں یقیناً خال خال ہی ایسے فنکار ہوتے ہیں جو صاحبِ اسلوب ہوں۔

صاحبِ اسلوب کسے کہتے ہیں؟

ہم دیہی لوگوں میں ایک کہاوت مشہور ہے بلکہ واقعتاً ایسا ہے کہ کھیت سے ہری دَھنیا چرا چھپا کر کوئی نہیں لے جا سکتا۔۔۔! کیونکہ چور جہاں جہاں سے وہ ہری دھنیا لے کر گزرے گا، ہری دَھنیا (اپنی خوشبو کے ذریعے) چیخ چیخ کر اعلان کریگی کہ میں یہاں ہوں۔ اسی طرح صاحبِ اسلوب ادیب ہو، شاعر ہو یا کوئی اور فنکار اس کے فن کی خوشبو ہی اس کا نام بن جاتی ہے۔ اس کی سامنے کی مثال ہماری زبان میں غالبؔ، داغؔ اور اقبالؔ جیسے شعرا ہیں۔

اسی طرح نثر میں بھی کئی نام تاریخ میں درج ہیں مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ نیاز فتح پوری، مولانا عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی ہمارے عہد میں ڈاکٹر ظ انصاری وغیرہ (یہاں جو نام زبان پر آگئے ان کا تذکرہ کر دیا سچ تو یہ ہے کہ اُردو زبان میں اس طرح کے لوگوں کی ایک کہکشاں موجود ہے)۔ مقبول فدا حسین اسی قبیل کے بہت نمایاں صاحبِ اسلوب ہندوستانی فنکار تھے کہ ان کا فن پارہ ہزاروں فن پاروں میں ملا دِیا جائے اور کسی بھی عام صاحب نظر سے کہہ دِیا جائے کہ بتایئے کہ اس میں سے 'حُسین' کی پینٹنگ کون سی ہے؟ تو اسے بہت دیر نہیں لگے گی اور وہ حُسین کا فن پارہ اُٹھا کر سامنے رکھ دے گا۔ اس طرح کے برش یا قلم کے فنکاروں میں ہم نے (پاکستانی خطاط و آرٹسٹ اور شاعر) صادقین کے ساتھ ممبئی میں ظفر آرٹسٹ (ظفر محمد بھوپالی) فیض لاہوری اور شہاب آرٹسٹ کو بھی دیکھا ہے اور یہ لوگ بھی اپنے اپنے فن میں صاحبِ اُسلوب تشخص کے حامل تھے مگر مقبول فدا حسین کی بات اور تھی ان کو جو مقبولیت ملی وہ بھی اُنہی کا حصہ تھی۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی عام ہے کہ وہ حسن پرست تھے۔ یقیناً وہ حسن پرست تھے اور وہ فنکار ہی کیا جو حسن پرست نہ ہو لیکن اُن کی حسن پرستی کے پسِ پشت کہیں بھی بوالہوسی نہیں تھی۔ حسن پرستی عیب نہیں ہے کیونکہ حسن تو

فطرت کا مظہر ہے، البتہ بوالہوسی کو ہم عذاب جانتے ہیں۔ (مادھوری دِکشت نے حسین کے انتقال پر جو بیان دیا ہے کیا وہ ہماری بات کی دلیل نہیں ہے کہ ''حسینؔ کا باطن ایک بچے کی طرح معصوم تھا۔'')

سچ تو یہ ہے کہ حسن پرستی ہی تو حسن کاری کی طرف لے جاتی ہے۔ جو سب کو کہاں نصیب ہوتی ہے۔!!

مقبول فدا حسین رنگ اور برش کے اُس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ وہ اپنے رنگ میں ڈوبا ہوا برش جہاں گھما دیتے تھے وہاں فن پارہ وجود پا جاتا تھا۔ اگر یہ کہہ دِیا جائے تو کیا غلط ہے کہ فن پارے تو اُن کے برش کی ایک گردش کے طالب ہوتے تھے۔ ہمیں یاد آتا ہے کہ بھنڈی بازار (ممبئ) کے مشہور نور محمدی ہوٹل میں اکثر وہ کھانے کیلئے آتے تھے اس ہوٹل کے مالک خالدؔ میاں نے ایک بار اُنھیں دیکھ لیا اور اُن سے اپنے ہوٹل کے کھانوں کے بارے میں رائے جاننی چاہی۔ حسینؔ کا برجستہ جواب تھا: ''میاں کیا پوچھتے ہو؟ میں تو اکثر یہاں کھانے کیلئے آتا ہوں اور یہی ایک بات کیا تمہارے کھانے کی تعریف نہیں؟'' ـــ خالد میاں کا کہنا ہے کہ میں نے اُن سے عرض کی کہ اسے آپ اپنے قلم یا برش سے لکھ دیں واضح رہے کہ انھیں اس ہوٹل کا جو پکوان بہت پسند تھا وہ نلّی نہاری تھا اور اُنہوں نے اُسی وقت ایک مرغ بنایا اور اس کے اوپر اُبھرتا ہوا سورج دِکھایا ـــ یہاں کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ 'نہاری' کا تصور ہی صبح سے ہے اور مرغ تو خود صبح کی ایک علامت ہے کہ اس کی بانگ ہی تو ہے جو صبح کی نوید بن جاتی ہے۔ یہ بات حسینؔ کے تحت الشعور میں پہلے ہی سے موجود تھی، ہوٹل کے مالک کی ایک فرمائش نے اس کو اُن کے شعور سے ان کے قلم کے ذریعے کاغذ پر منتقل کر دی ـــ

حسینؔ کی یہ ادنیٰ سی ایک مثال ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام تر فنکارانہ صلاحیتوں میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ اچھا ہوا وہ ملک سے باہر چلے گئے ورنہ عجب نہیں کہ یہاں اُن کا بھی وہی حشر ہوتا جو پاکستان میں 19 دسمبر 2007 کو حسینؔ ہی کے درجے کے ایک عالمی شہرت یافتہ پینٹر (81 سالہ) اسماعیل گل جی کا ہوا کہ اُنھیں، ان کی بیوی اور ایک ملازمہ کو کس نے کب قتل کیا آج تک پتہ نہیں چلا۔

افسوس! اس تہرے قتل کی خبر بھی لوگوں کو تین چار دِن بعد ملی جب تک تینوں لاشیں مسخ ہو چکی تھیں۔

ہم یہ بات فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ''ہم نے حسین کو دیکھا تھا'' کسی نے صحیح کہا ہے کہ حسین کے ہاں ایک ضد تھی اُنہوں نے ملک سے دور جانا پسند کیا مگر فن کے معاملے میں عقل کے دُشمنوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

یہ بات کوئی معمولی شخص کر ہی نہیں سکتا اور وہ فن کار بھی نہیں ہو سکتا جس کے ہاں انا نہ ہو۔

ہم حسین کی اس حسین انا کو سلام کرتے ہیں۔ کیا ہمیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ انا اور انانیت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ کمزور لوگ اپنی انا کی حد جلد پار کر لیتے ہیں اور نتیجے میں انانیت انھیں نگل لیتی ہے۔ حسینؔ نے غریب الوطنی کو اپنے لئے پسند کیا مگر ''کائروں'' کے آگے جھکے نہیں ہم ان کی اس انا کو پھر سلام کرتے ہیں۔

فن کے پرستاروں کی زبان پر اِس وقت بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔
حسین زِندہ باد۔۔۔زِندہ باد حسین!

■■

روزنامہ اُردو ٹائمز، ممبئی
اتوار 12 رجون 2011

جینت پرمار (احمد آباد) ہماری زبان کے ایک معروف شاعر اور صاحب طرز مصور ہیں ان کی ایک کتاب '**نظم یعنی**' جو نظم اور مصوری کا ایک نمونہ بنی ہوئی حال ہی میں بازار میں آئی ہے جس میں اُنہوں نے نظم اور اسکیچ کے ذریعے مرحوم حسین کو جیسے یاد کیا ہے وہ بھی ہمارے نزدیک ایک پُرسہ ہے۔ اسکیچ تو یہاں ممکن نہیں ہے مگر اُن کی مذکورہ نظم ذیل میں درج کی جاتی ہے:

گھر واپس کب آؤ گے؟

سگنل پہ اخبار بیچنے والا لڑکا
چارکول سے ترچھی لکیریں کھینچنے والا
مٹی کی خوشبو پیسٹل میں بکھونے والا فدا حسین
برش کے پنکھ لگا کے کاٹھ کے گھوڑے پر
سانس کا آخری اسٹروک کھینچ کر
چلا گیا سورج کے ساتویں گھوڑے کی تصویر بنانے!
پیچھے چھوڑ گیا ہے ادھورے رنگوں کا کینوس
سفید کینوس کے میداں میں
ریس کورس کے گھوڑے کبھی نہ دوڑیں گے
اب بھی گیلے کینوس کے رنگ پوچھ رہے ہیں:
گھر واپس کب آؤ گے؟

☆☆